فقہائے احناف کے ہاں آثار صحابہ سے استدلال اور عمل صحابی و خبر واحد میں ترجیح کے اصول

Shariah Ruling from the *Athar e Sahabah* and principles of Preference Between the Actions of a Companions of Holy Prophet (P.B.U.H) and *Khabar Wahid* According to the Hanafi Jurists

Usama Arshad
Lecturer,
Govt Choudhary Ilam din Graduate college,
AliPur Chatha, Gujranwala
qariusamaa@gmail.com

ABSTRACT:

The views of the Companions of the Holy Prophet (PBUH) are highly influential in both Islamic theological and legal traditions. Their sayings, actions, and interpretations of legal matters—often referred to as the *athar* of the Companions—are considered crucial sources of Islamic law, alongside the Qur'an and Sunnah.

This study explores the nature and principles of preference between the Āthār al-Ṣaḥābah) and Khabar Wāḥid within the framework of Hanafi jurisprudence. The Hanafi school, known for its methodical and rational approach to legal interpretation, gives significant weight to both categories of evidence but applies distinct criteria when resolving apparent conflicts between them. Āthār al-Ṣaḥābah hold a prominent position due to the Companions' direct engagement with the Prophet (PBUH) and their practical understanding of Islamic law. However, Khabar Wāḥid, is accepted when it meets conditions of authenticity and reliability. This paper examines the foundational principles the Hanafi jurists employ in evaluating the credibility and applicability of these sources.The analysis demonstrates how preference is given to the Āthār al-Ṣaḥābahin and Khabar Wāḥid in cases where they provide clearer guidance on legal matters. This approach underscores the Hanafi school's commitment to a balanced interpretation of Islamic jurisprudence, ensuring coherence and continuity within the legal framework.

Keywords: Hanafi jurisprudence, Āthār al-Ṣaḥābah, Khabar Wāḥid, Islamic law, legal interpretation, Shariah principles, legal framework.

تمہید

حضرات صحابہ کرامؓ یہ وہ پاکیزہ اور مبارک شخصیات ہیں جنھوں نے نبی اکرم ﷺ پر وحی الٰہی کو نازل ہوتے ہوئے دیکھا اور وحی الٰہی کے مطالب و مفاہیم کو براہ راست پیغمبر رسالت ﷺ سے سیکھا اور تقوی، عدالت، ثقاہت اور صداقت و امانت کی تربیت بھی براہ راست جناب نبی اکرم ﷺ سے حاصل کی۔ ان کے حسن عمل اور حسن کردار کی تعریف و ستائش اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کی اور ان کے غیر متزلزل اور پختہ ایمان کی گواہی کو مختلف پیراؤں میں بیان کیا۔[1] اور جناب نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے زمانے اور اپنے مابعد زمانہ قریب کی عمدگی اور خیریت کی گواہی دی۔[2] اور مزید یہ کہ ان کی اقتدا کی تلقین فرمائی۔ چناں چہ جناب خطیب بغدادی م (م ۴۶۳ھ) نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحابہ کرامؓ کی اقتدا کے بارے میں جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ :

---

[1] القرآن،۸:۷۴؛۵۹:۸؛۱۸:۴۸

[2] مثلاً (الف) عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم ،ثم الذين يلونهم قال عمران: فلا أدري أذكر بعد قرنه قرنين أو ثلاثاً ثم إن بعدكم قوماً يشهدون ولا يستشهدون ويخونون ولايؤتمنون وينذرون ولا يوفون يظهر فيهم السمن.(ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ومن صحب النبى صلى الله عليه وسلم أو رآه من المسلمين فهو من الصحابة (الریاض: مکتبۃ دار السلام، ۲۰۰۰ء)، رقم: ۲۵۰۹)(سب سے بہتر میر ازمانہ ہے پھر جو ان کے بعد ہوں گے اور پھر جو ان کے بعد ہوں گے۔ حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ اپنے زمانے کے بعد دو زمانوں کا ذکر فرمایا تھا یا تین کا۔ (پھر فرمایا) پھر تمھارے بعد ایسی قوم آئے گی کہ وہ گواہی دیں گے؛ حالاں کہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔ وہ خیانت کریں گے حالاں کہ وہ امین نہیں بنائے جائیں گے۔ وہ نذریں مانیں گے مگر ان کو پورا نھیں کریں گے اور ان پر چربی چڑھی ہو گی۔)

(ب) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جناب نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے: خير أمتي قرن الذين يلوني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يجيء قوم تسبق شهادة أحدهم يمينه ويمينه شهادته. (ابوالحسن مسلم بن حجاج القشیری صحیح، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (الریاض: مکتبۃ دار السلام، ۲۰۰۰ء)، رقم: ۲۵۳۳-](میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو اس قرن (زمانے) میں ہیں جو میرے قریب ہے، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جن میں سے کسی ایک کی شہادت اس کی قسم پر مقدم ہو گی اور اس کی قسم اس کی شہادت پر مقدم ہو گی۔)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مهما أوتيتم من كتاب الله فالعمل به لاعذر لأحد في تركه فإن لم يكن في كتاب الله فسنة مني ماضية فان لم يكن سنّتي فما قال أصحابي، إن أصحابي بمنزلة النجوم في السماء فأيما أخذتم به اهتديتم واختلاف أصحابي لكم رحمة.[3]

(نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب بھی تمھیں کتاب اللہ کا حکم دیا جائے تو اس پر عمل لازم ہے، اس پر عمل نہ کرنے پر کسی کا عذر قابل قبول نہیں، اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو میری سنت میں اسے تلاش کرو جو تم میں موجود ہو اگر میری سنت میں بھی نہ ہو تو (اس مسئلے کا حل) میرے صحابہ کے اقوال کے مطابق (تلاش) کرو: میرے صحابہ کی مثال یوں ہے جیسے آسمان پر ستارے، ان میں جس کا دامن پکڑلو گے ہدایت پاجاؤ گے اور میرے صحابہ کا اختلاف بھی تمھارے لیے رحمت ہے۔)

اسی نوع کی روایت جناب ابو سعید الخدریؓ (۷۵ھ) سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

"إن الناس لكم تبع وإن رجالا يأتونكم من أقطار الأرضين يتفقهون في الدين."[4]

(بے شک تمھارے متاخرین تمھارے تابع ہوں گے اور وہ فہم اور حصولِ دین کی خاطر اکناف عالم سے تمہارے پاس پہنچیں گے۔)

اس پر مستزاد یہ کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ان مقدس ہستیوں کے آثار و ہدایات کو نہ صرف سنت سے تعبیر کیا بلکہ ان کی سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے؛ چناں چہ ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فمن أدرك ذلك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين[5]

(سو تم میں سے جو شخص اس وقت کو پالے، اسے چاہیے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے۔)

---

[3]ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ)، الكفاية في علم الرواية، باب ماجاء في تعديل الله ورسول للصحابة، (حیدر آباد دکن: مکتبہ دائرۃ المعارف، ۱۳۵۷ھ)، ۴۸۔

[4]ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورۃ الترمذی (م ۲۷۹ھ)، سنن الترمذي، كتاب العلم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ماجاء في الاستيصاء بمن طلب العلم (الریاض: مکتبۃ دار السلام، ۲۰۰۱ء)، رقم: ۲۶۵۰۔

[5]المرجع السابق، کتاب العلم، باب ماجاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، رقم: ۲۶۷۶۔

قرآن وسنت میں واضح ہدایات موجود ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے آثار[6] اور ان کا علم دین متین پر چلنے کے اعتبار سے امت کی رہ نمائی کے لیے سراپا ہدایت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ رسالت ﷺ کے بعد صحابہ اور امت کا تعامل بھی ان کے آثار و ہدایات پر عمل کرنے میں پیش پیش رہا ہے اور ان کے آثار و ہدایات کو قرآن وسنت کی تشریح وتوضیح اور فہم دین کے بارے میں حجت شرعیہ کا مصداق تصور کیا گیا ہے اور اس کی بہترین مثال قرن ثانی میں حضرت عمر بن خطابؓ کے حکم پر نماز تراویح کو امام کی اقتدا میں یک جا ہو کر ادا کرنے کی اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ہے اور یہاں تک کہ اس بارے میں کسی بھی صحابی رسول کی طرف سے نکیر موجود نہیں؛ چناں چہ امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت عبدالرحمنؓ سے روایت کیا ہے کہ:

قال خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل فيصلي بصلاته الرهط فقال عمر: "إني أرى لو جمعت هولاء على قارئ واحد لكان أمثل ثم، عزم ، فجمعهم على أبي ابن كعب، ثم خرجت معه ليلة أخرى والناس يصلون بصلوة قارئهم قال عمر : نعم البدعة هذه والتي ينامون عنها أفضل من التي يقومون يريد آخر الليل وكان الناس يقومون أوله [7]

(کہتے ہیں کہ میں رمضان المبارک کی ایک رات میں حضرت عمر بن خطاب ولی ان کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق گروہوں کی صورت میں نماز تراویح ادا کر رہے تھے۔ کچھ آدمی اپنی نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ چند لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر ولی اللہ نے کہا: میرا خیال ہے اگر میں انھیں ایک قاری کے ساتھ اکٹھا کر دوں تو یہ بہتر رہے گا پھر آپ نیلی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا عزم کیا اور ان کو حضرت ابی بن کعب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں یک جا کر دیا۔ ایک رات پھر میں ان کے ساتھ نکلا اور

[6] محدثین کرام کے ہاں اثر کا اطلاق رسول اللہ ﷺ اور صحابی سے منقول خبر پر ہوتا ہے اور جب کہ فقہاے خراسان کا کہنا ہے کہ "الأثر هو ما يضاف إلى الصحابي موقوفاً عليه"(اثر سے مراد ایسی چیز ہے جس کی نسبت صحابی پر رک جاتی ہو۔) (محی الدین بن شرف النووی، المنهاج شرح صحیح مسلم، المقدمۃ (ازهر، قاہرہ: المطبعۃ المصریۃ، ۱۹۲۹ء)، ۱/۶۳۔) مولانا عبد الحہ لکھنویؒ کا کہنا ہے کہ "اثر لغت میں "البقية من الشيء"یعنی چیز کے باقی ماندہ کو کہا جاتا ہے اور اس سے "اثر الدار لما بقي منه" کہا جاتا ہے۔ اصطلاح محدثین میں اثر کا اطلاق مرفوع اور موقوف دونوں طرح کی روایات پر ہوتا ہے۔ اسی اصطلاحی تناظر میں امام طحاویؒ اپنی کتاب شرح معاني الآثار میں مرفوع روایات بھی لائے ہیں اور اسی طرح طبری رحمۃ اللہ نے تہذیب الآثار میں صرف مرفوع روایات کو بیان کیا ہے اور جب کہ فقہاے خراسان کی نظر میں حدیث کا اطلاق مرفوع روایت پر اور اثر کا اطلاق موقوف صحابی وتابعی سے خاص ہے۔ اسی لیے امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے اپنی کتاب کا نام کتاب الآثار رکھا، جس میں انھوں نے صرف موقوف صحابی وتابعی کو بیان کیا ہے۔ (ابوالحسنات محمد عبد الحہ لکھنوی، ظفر الأماني في مختصر الجرجاني، المقدمة في بيان أصوله (لکھنو: المطبع چشمہ فیض، ۱۳۰۴ھ)، ۵۔)

[7] البخاری، الجامع الصحیح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۸۸۵۔

لوگ اپنے قاری کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر علی الفین نے کہا: یہ بہت اچھی بدعت (کاوش) ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے ہیں اس سے وہ بہتر ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں۔ لوگ رات کے پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔)

جلیل القدر تابعی اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز(م ۱۰۰ھ) نے صحابہ کرامؓ کی دینی بصیرت اور ان کی عملی زندگی کی اہمیت سے متعلق ایک خط کے جواب میں فرمایا:

فارض لنفسک ما رضي به القوم لأنفسهم فإنهم على علم وقفوا، وببصر نافذ كفوا، وهم على كشف الأمور كانوا أقوى وبفضل ما كانوا فيه أولى فإن كان الهدى ما أنتم عليه لقد سبقتموهم إليه .[8]

(تم اپنے لیے وہی امور پسند کرو جو صحابہ کرام بین الم نے اپنے لیے پسند کیے تھے۔ پس وہ علم پر پوری طرح ڈٹے ہوئے تھے اور دین متین کے بارے میں گہری نظر رکھتے تھے۔ وہی حقائق کے کشف پر پختہ اور مضبوط تھے۔ علم و فضل میں تم سب سے بڑھ کر تھے۔ اگر تم یہ خیال کر بیٹھے ہو کہ ان سے ہٹ کر راہ راست پر ہو تو تم اس کے مدعی ہو کر دین میں ان سے سبقت کر گئے۔)

در حقیقت صحابہ کرام ضیاان کی عملی زندگیاں رسول اللہ صلی علیم سے مکمل مناسبت اور مماثل ہونے کی وجہ سے امت کے اہل علم فقہاو محدثین کرام نسیم نے ان کے آثار و ہدایات سے استفادہ و استدلال کیا اور اپنی کتب میں شامل کیا اور انھیں جرح و قدح سے مبرا قرار دیا ہے۔ چناں چہ حافظ ابن اثیر جزری بیلی(م ۶۳۰ھ) کا قول ہے کہ

لا يتطرق إليهم الجرح، لأن الله عزوجل ورسوله زكياهم وعدلاهم.[9]

(جرح ان کی طرف متوجہ نہیں ہوگی، کیوں کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول نے ان کا تزکیہ و تعدیل کی۔)

یہاں تک کہ امام احمد بن حنبلؒ نے صحابہ کرام رضی اللہ کی پاکیزگی اور تقدیس پر امت مسلمہ کے سواد اعظم اہل السنۃ والجماعۃ کے اجماع کا دعوی کیا ہے کہ:

---

[8] ابوداود سلیمان بن الاشعث السجستانی(م ۲۷۵ھ)،سنن أبي داود، كتاب السنة، باب لزوم السنة (الریاض: دار السلام ۱۹۹۹ء)، رقم: ۳۹۹۴

[9] ابوالحسن علی بن محمد بن الاثیر الجزری(م ۶۳۰ھ)،أسد الغابة في معرفة الصحابة (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۳ء)، ۱۱/۱۔

و أجمع أهل السنة والجماعة على عدالتهم."[10]

(اہل سنت والجماعت کا گروہ صحابہ کرام کی عدالت کے بارے میں متفق ہے۔)

بہر حال امت کے دو بڑے گروہ حنفیہ اور مالکیہ نے اتفاقی طور پر صحابہ کرام رضی نام کے آثار و ہدایات کو غیر منصوص علیہ احکام کے بیان میں دلیل شرعی کا درجہ دیا ہے اور فہم دین اور شریعت اسلامی کے روح تک پہنچنے کا معتبر ذریعہ تسلیم کیا ہے، ہاں البتہ اس بارے میں شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ان اہل علم سے مختلف پائی جاتی ہے۔ چناں چہ امام شافعی کے قول قدیم کے مطابق قول صحابی حجت ہے اور جب کہ قول جدید[11] کے مطابق قول صحابی حجت نہیں ہے۔ اور جب کہ امام احمدؒ سے ایک روایت کے مطابق ان کے ہاں قول صحابی حجت ہے اور قیاس پر مقدم ہے۔[12] جب کہ دوسری روایت کے مطابق ان کے ہاں قولِ صحابی حجت شرعیہ نہیں ہے۔[13]

آثار صحابہ رضی اللہ سے استفادے واستشہاد کے ضمن میں یہاں توجہ طلب امر یہ ہے کہ اہل علم فقہا و محدثین نے جہاں استفادہ واستدلال کیا اور انھیں منشائے شریعت تک رسائی کا قابل اعتماد راستہ سمجھا تو وہاں ان اہل علم کے مابین مختلف اصول اور فکری

---

[10] ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)، کتاب فضائل الصحابة (بیروت: مرکز البحث العلمي وإحیاء التراث الاسلامی، ۱۴۰۳ھ)، ۷۵۔

[11] امام محمد بن ادریس الشافعی (م ۲۰۴ھ) کا شمار ائمہ اربعہ میں سے ہوتا ہے۔ فقہی احکام کے بیان میں بعض مرتبہ آپ کی طرف دو قول منسوب ہوتے ہیں۔ علمائے شافعیہ ان میں پہلے کو "قول قدیم" اور دوسرے کو "قول جدید" سے تعبیر کرتے ہیں۔ قول قدیم سے مراد آپ کی وہ فقہی تعبیرات ہیں جنھیں آپ نے عراق میں قیام کے دوران لکھا تھا اور ان کے راویوں میں امام احمد بن حنبل، زعفرانی، کرابیسی اور ابوثور کے اسما معروف ہیں اور ان میں سے بہت سے اقوال سے آپ نے رجوع کر لیا تھا۔ جب کہ قول جدید سے مراد آپ کی مصر کے قیام کے دوران بیان کردہ فقہی تشریحات ہیں۔ ان کے ناقلین میں مزنی، بویطی، ربیع المرادی، ربیع الجیزی اور حرملہ وغیرہ شامل ہیں۔ عموماً قول جدید کو ہی فقہائے شافعیہ زیادہ معتبر قرار دیتے ہیں۔ (اکرم یوسف عمر القواسمی، المدخل إلى مذهب الإمام الشافعي المطلب الأول ظهور المذهب القديم للإمام الشافعي ۱۹۵-۱۹۹ھ والمطلب الثاني ظهور المذهب الجديد للإمام الشافعي ۱۹۹-۲۰٤ ھ) اردن دار النفائس، ۲۰۰۳ء)، ۳۰۶/۲۹۹)

[12] ابویعلی محمد بن الحسین ابن الفراء البغدادی (م ۴۵۸ھ)، العدة في أصول الفقه (الرياض: المملكة العربية السعودية، ۱۹۹۰ء)، ۱۱۸۱/۴؛ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ (م ۶۲۰ھ)، روضة الناظر وجنة المناظر في أصول الفقه، فصل في عدالة الصحابة (الرياض: المكتبة التدمرية، ۱۹۹۸ء)، ۳۴۷/۱۔

[13] محفوظ بن احمد بن الحسن الکلوذانی (م ۵۱۰ھ)، التمهيد في أصول الفقه (جده: دار المدني، ۱۹۸۵ء)، ۳: ۳۳۲۔

زاویے بھی نمایاں ہوئے ہیں۔ان اہل علم کی اس طرز فکر کی ترجمانی میں سرزمین عراق سے امام ابو حنیفہؒ[14] اور ان کے اصحاب و متبعین بھی شامل ہیں اور ان اہل علم نے بھی استفادہ واستدلال کے ضمن میں کچھ اصولی نکات کی طرف نشان دہی کی ہے۔

لہٰذا اس امر کی ضرورت ہے کہ ان اصولوں اور زاویہ ہائے فکر کی نشان دہی کی جائے اور نوعیت کو بیان کیا جائے جنھیں فقہائے احناف نے آثار صحابہؓ سے استدلال واستشہاد میں اختیار کیے ہیں اور اس سے یہ پہلو بھی واضح ہو جائے گا کہ فقہائے کرام رحمہ اللہ کے مابین اختلاف میں کچھ اصولی اور اجتہادی عوامل کارفرما ہیں،ایسی صورت میں کسی بھی عقلی معیار پر مبنی فکری رائے کی بنیاد پر مخالف کی اجتہادی رائے کے خلاف یقینی صحت کا دعوی نہیں کیا جائے گا اور نہ انھیں اس پر مطعون ہی کیا جائے گا۔ یہ مضمون جہاں متقدمین فقہائے احناف کا آثار صحابہ کرامؓ سے استفادے کی نوعیت اور اصول کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے،وہاں فقہائے احناف کی اجتہادی فکر کے ایک نمایاں پہلو کی طرف بھی اشارہ بھی کرتا ہے۔

ائمہ احنافؒ کا آثار صحابہؓ سے استفادے کا استدلالی موقف

صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال، فتاویٰ اور فیصلوں کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا اپنا موقف یہی ہے کہ آپؒ قرآن اور سنت رسول ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کی شخصیات کو حجت مانتے ہیں اور پھر اختلاف آثار کی صورت میں بھی انتہائی معقول اور متوازن موقف بیان کرتے ہیں؛ چناں چہ جب عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور (م ۱۵۸ھ) نے امام اعظمؒ کو لکھا کہ میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں تو اس کے جواب میں امام ابو حنیفہؒ نے لکھا:

---

[14] آپ فقہ حنفی کے بانی اور ائمہ اربعہ میں امام اعظم کے لقب سے جانے جاتے ہیں۔آپ کا نام نعمان،کنیت ابو حنیفہ اور امام اعظم سے ملقب ہیں۔آپ کی سن پیدائش میں اختلاف ہے تاہم آپ کو شرف تابعیت حاصل ہے۔(ابو الفرج محمد بن ابی یعقوب المعروف بابن الندیم (م ۳۸۵ھ)،الفہرست (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۲ء)، ۲۴۲-۳۔) آپ کو کبار اہل علم سے تلمذ حاصل ہے اور آپ کے شیوخ میں قاسم، طاوس، سالم، عکرمہ، مکحول، عبد اللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابراہیم نخعی، عطا، قتادۃ، نافع، حماد بن ابی سلیمان وغیرہم شامل ہیں۔(الموفق بن احمد المکی (م ۵۶۸ھ)، مناقب أبي حنيفة (بیروت: دار الکتاب العربي، ۱۹۸۱ء)، ۳۸/۱۔) آپ کو ائمہ اربعہ میں سے یہ انفرادیت حاصل ہے کہ آپ کی مرویات میں احادیات بھی موجود ہیں۔۔(محمد زاہد بن الحسن الکوثری،(م ۱۳۷۱ھ)، تانيب الخطيب على ما ساقه في ترجمة أبي حنيفة من الأكاذيب ,(ملتان: المکتبۃ الامدادیۃ،۱۹-) آپ کے شاگردوں میں قاضی ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن الشیبانی سر فہرست ہیں، جنھوں نے بعد ازاں آپ کی فکر کو پروان چڑھایا اور یوں ایک مکتب فکر کی صورت میں منظر عام پر آئی۔

وہ بات درست نہیں ہے جو امیر المؤمنین کو پہنچی ہے۔ میں سب سے پہلے کتاب اللہ سے رجوع کرتا ہوں، وہاں مسئلے کا حکم نہیں ملتا تو سنت رسول ﷺ میں تلاش کرتا ہوں، وہاں بھی اگر نہیں ملتا تو خلفاے راشدین کے فیصلے اور ان کی آرا دیکھتا ہوں۔ اس کے بعد باقی صحابہ کرامؓ کے اقوال، فتاویٰ اور قضایا کو دیکھتا ہوں۔ صحابہ کرامؓ اگر کسی معاملے میں مختلف ہوں تو پھر بے شک میں قیاس سے کام لیتا ہوں۔[15]

ایسی ہی رائے عبداللہ بن مبارک نقل کرتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ رسول کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ بسر و چشم ہمیں قبول ہے اور صحابہؓ کے اقوال کسی مسئلے میں مختلف وارد ہوں تو ہم کسی ایک کو اختیار کرتے ہیں، لیکن ان سے خارج نہیں ہوتے البتہ تابعین کے اقوال کی مزاحمت کرتے ہیں یعنی جس طرح انھوں نے اجتہاد کیا ہم بھی اجتہاد کرتے ہیں۔[16]

اسی طرح کا قول ائمہؒ اور آپ کے سوانح نگاروں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ جو حکم رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو وہ سر آنکھوں پر، کسی صورت میں ہم سے اس کے خلاف سرزد نہیں ہو سکتا۔ رہے صحابہ کرامؓ کے اقوال اور قضایا، تو ان میں سے ہم بہتر کا انتخاب کریں گے۔ اس کے بعد معاملہ ہے تابعین اور تبع تابعین کے اقوال و فتاویٰ کا، تو بات یہ ہے کہ وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔[17]

متاخرین حنفی فقہا واصولیین نے بھی اپنی تصانیف میں آثار صحابہ کرام کی حجیت کو بیان کیا ہے مثلاً صاحب حسامی فرماتے ہیں کہ

تقليد الصحابي واجب يترك به القياس لاحتمال السماع والتوقيف ولفضل إصابتهم في نفس الرأي

---

[15] عبدالوہاب بن احمد الشعرانی(م ۹۷۳ھ)، المیزان الکبری، فصل في بیان ضعف قول من نسب الإمام أبو حنیفة إلی أنه یقدم القیاس علی رسول الله صلی الله علیه وسلم (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۹۸ء) ۱/۸۰۔

[16] ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی، (م ۴۶۳ھ)، تاریخ بغداد، (مصر: مطبع السعادہ، س ن)، ۱۳/۳۲۶۔

[17] ابو عمر یوسف بن عبدالبر الاندلسی(م ۴۶۳ھ)، الانتقاء في فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء، باب جامع في فضائل أبي حنیفة وأخباره طلب مکتب المطبوعات الإسلامیة، ۱۹۹۷ء)، ۲۶۶۔

بمشاهدة أحوال التنزيل ومعرفة أسبابه. وقال أبو الحسن الكرخي لا يجوز تقليد الصحابي إلا فيما لا يدرك بالقياس[18]

(صحابیؓ کی اتباع اس کے سماع اور واقفیت حاصل ہونے کے احتمال کی وجہ سے اور نفس رائے میں اس کے درست ہونے کے قوی امکان کی وجہ سے لازم ہے اور اس کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑا جائے گا؛ کیوں کہ صحابیؓ نے نزول قرآن کے احوال کا مشاہدہ کیا ہے اور وہ اس کے اسباب سے باخبر ہے۔ ابوالحسن کرخیؒ کہتے ہیں کہ صحابی کی پیروی صرف غیر مدرک بالقیاس احکام میں روا ہے۔)

صدر الشریعہ نقل فرماتے ہیں کہ

"لأن أكثر أقوالهم مسموع بحضرة الرسالة وإن اجتهدوا فرأيهم أصوب لأنهم شاهدوا موارد النصوص لتقدمهم في الدين وبركة صحبة النبي صلى الله عليه وسلم وكونهم في خيرالقرون.[19]

(ان کے اکثر اقوال بارگاہ رسالت صلی میں کہی سے سنے ہوئے ہیں اور اگر وہ اجتہاد کریں تب بھی ان کی رائے زیادہ درست ہے اس لیے کہ انھوں نے نصوص شرعیہ کے موقع و محل کا براہ راست مشاہدہ کیا ہے اور دین میں انھیں اولیت حاصل ہے۔ رسول کریم ﷺ کی تربیت وصحبت سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ ان کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔)

ملاجیونؒ نے آثار صحابہ کی حجیت اور ان کے مستدل ہونے کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ

فرأي الصحابي أقوى من رأي غيرهم لأنهم شاهدوا أحوال التنزيل وأسرار الشريعة فلهم مزية على غيرهم.[20]

(صحابیؓ کی رائے (کسی مسئلے میں) دوسروں کی رائے سے افضل ہے کیوں کہ انھوں نے قرآن کریم کے احوال اور شریعت کے اسرار کا بچشم خود مشاہدہ فرمایا ہے۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دوسرں پر برتری حاصل ہے۔)

---

[18] حسام الدین محمد بن محمد بن عمر الأسیتي، کتاب الحسامی، باب في متابعة أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم (ملتان: مکتبہ امدادیہ، س ن)، ۹۴۔

[19] صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود بن محمود (م ۷۴۷) التوضیح والتلویح مع الحاشیۃ التوشیح، فصل في تقليد الصحابي يجب إجماعاً ،(بیروت: دار الکتب العلمیہ، س ن)، ۲/۳۷۔

[20] احمد بن ابی سعید بن عبید اللہ الشہیر بملاجیون (م ۱۱۳۰ھ)، نور الأنوار مع قمر الأقمار وحاشیۃ السنبلي، باب تقليد الصحابي، (کراچی: مکتبۃ البشری، ۲۰۱۱ء)، ۱/۶۱۵۔

حنفی فقہ واصولیین میں امام سرخسیؒ[21] نے آثار صحابہ کرامؓ کی تقسیم کی ہے اور انھوں نے اس کے درجۂ مراتب کی پوری وضاحت نقل کی ہے کہ

۱۔ وہ قول صحابی جس میں رائے اور قیاس کو دخل نہ ہو، ایسی صورت میں امام سرخسی کے بہ قول حنفی متقدمین و متاخرین کے ہاں یہ حجت ہے اور یہ مرفوع روایت کے حکم میں ہے۔

۲۔ اگر قول صحابی رائے واجتہاد کی قبیل سے ہو تو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ قول صحابی کو دیگر صحابہ کی تائید ہو جائے تو وہ چوں کہ اجماع کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اس لیے یہ صورت بھی حجت ہے۔

۳۔ اگر قول صحابی فتوی کی قبیل سے ہو تو ایسی صورت میں ایک احتمال یہ ہے کہ صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے شاید اس سلسلے میں کچھ سنا ہو، جس کی بنیاد پر اس نے فتوی دیا ہے۔ لہذا یہ احتمال اس بات کا متقاضی ہے کہ اسے رائے محض، پر اس طرح ترجیح دی جائے جیسے خبر واحد کو قیاس پر ترجیح دی جاتی اور مقدم مانا جاتا ہے۔ اور اگر یہ احتمال بالکل نہ ہو بلکہ واضح ہو رہا ہو کہ یہ فتوی صحابی نے اپنی رائے سے دیا ہے تو پھر بھی ایسی صورت میں صحابی کی رائے پر مبنی فتوی بعد والوں کی رائے سے بہ ہر حال اقوی اور افضل ہے، کیوں کہ انھوں نے اللہ کے رسول کا زمانہ پایا ہے اور نزول وحی کے احوال و ظروف سے پوری طرح آگاہ ہیں اور آنحضرت ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آپ پیش آمدہ مسائل میں کس طریق پر فتوی دیا کرتے تھے۔

۴۔ اگر صحابی کی رائے صرف رائے ہو (فتوی نہ ہو) تو ایسی صورت میں بھی ان کی رائے بعد والوں کی رائے سے افضل قرار دی جانی چاہیے اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بعد والوں کے مقابلے میں ان کی رائے میں صحت کا امکان زیادہ اور خطا کا امکان کم ہو گا؛ کیوں کہ انھیں اللہ کے رسول ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے ان کے حق میں خیر و بھلائی کی خود گواہی دی ہے۔

[21] ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل کا شمار حنفی ائمہ اصولیین میں ہوتا ہے۔ بلادِ خراسان کے علاقے سرخس میں پیدا ہوئے اور ۴۸۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کی معروف تصانیف میں المبسوط، شرح السیر الکبیر اور اُصول السرخسي گراں قدر ہیں۔ (احمد بن مصطفی طاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۵ء)، ۲/۲۳۶۔)، ابن کمال پاشا نے آپ کو طبقہ ثالثہ، مجتھدین فی المسائل، میں شمار کیا ہے۔ (ابوالحسنات محمد عبد الحہ لکھنوی، (م۱۳۰۴ھ)، الفوائد البھیة في تراجم الحنفیة (القاہرہ: دار الکتاب الِاسلامی، س ن)، ۱۵۸۔

۵۔ چوتھی صورت ہی کی ایک ضمنی صوررت یہ ہے کہ جہاں صحابہ کرام کی آرا بھی مختلف ہوں اور بعد والوں کا بھی اس مسئلے میں اختلاف ثابت ہو تو وہاں بعد والوں کے مقابلے میں صحابہ کو ترجیح دی جائے اور خود صحابہ کے اختلاف میں کس کو ترجیح دیں؟ اس بارے میں امام سرخسیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں اس صحابی کی رائے کو ترجیح دی جائے جس کے ساتھ ترجیح کا کوئی پہلو اور نوعیت موجود ہو۔[22]

آثار صحابہؓ سے متعلق فقہائے احناف میں دوسری مختلف رائے امام ابوالحسن الکرخی[23] اور جناب دبوسی[24] کی بھی موجود ہے۔ان اہل علم کی رائے یہ ہے کہ قولِ صحابی صرف ان احکام شرعیہ میں معتبر ہے جو مدرک بالقیاس نہیں؛ کیوں کہ اس میں صاحب شریعت سے سماع کا پورا احتمال موجود ہے اور جہاں تک ایسے آثار کا تعلق ہے جو احکام شرعیہ سے متعلق ہوں اور مدرک بالقیاس کی قبیل سے ہوں، ایسے آثار کو حجت شرعیہ کا درجہ نہیں دیا جائے گا۔ اس لیے کہ ظن غالب میں قول صحابی رائے اور اجتہاد پر مبنی ہے اور رائے اور اجتہاد میں غلطی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے آپس کے آثار میں اختلاف موجود ہے اور اپنے قول و عمل پر عمل پیرا ہونے کے لیے لوگوں کو تلقین بھی نہیں کیا کرتے تھے۔[25]

آثارِ صحابہ سے استدلالی موقف کے ضمن میں یہ زاویہ فکر بھی فقہائے احنافؒ کے ہاں موجود ہے کہ قرآن وسنت کے بعد دین کے فہم اور اسلامی شریعت کی وضاحت سے متعلق صحابہ کرامؓ کی رہ نمائی کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور اسلامی شریعت کے ظنی ماخذ

---

[22] ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی(م ۴۹۰ھ)، أصول السرخسي، فصل في تقليد الصحابي إذا قال قولاً ولا يعرف له مخالف (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۳ء)، ۱۱۲/۱۱۰/۲۔

[23] ابوالحسن عبید اللہ بن الحسین الکرخی، عراق کے علاقہ کرخ میں ۲۶۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۶۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کا شمار مجتہدین فی المسائل میں کیا گیا ہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں ابو بکر احمد الجصاص، ابو علی احمد بن محمد الشاشی اور ابو القاسم علی التنوخی شامل ہیں۔ آپ کی تصانیف میں المختصر، شرح الجامع الصغیر اور شرح الجامع الکبیر بیان کی جاتی ہیں۔ (عبد الحئ لکھنوی، الفوائد البھیۃ في تراجم الحنفیۃ،۔)

[24] ابو زید عبد اللہ بن عمر الدبوسی کا شمار حنفی ائمہ اصولیین میں سے ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش ۳۶۹ھ اور وفات ۴۳۰ھ کو بخارا میں ہوئی۔ آپ دبوسیہ کے رہنے والے تھے جو بخارا اور سمرقند کے درمیان ہے۔ حنفی اصول فقہ کے بیان میں آپ کی کتاب تقویم الأدلۃ ایک عمدہ اضافہ ہے۔ (خیر الدین الزرکلی، الأعلام ، (بیروت: دار العلم للملایین، ۲۰۰۲ء)، ۱۰۹/۲۔

[25] ابو زید عبید اللہ بن عمر بن عیسی الدبوسی (م ۴۳۰ھ)، تقويم الأدلة في أصول الفقه، باب القول في تقليد الصحابي والتابعي ، (بیروت : دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۱ء)، ۲۵۷؛ علی بن محمد البزدوی (م ۴۸۲ھ)، كنز الوصول إلى معرفة الأصول، باب متابعة أصحاب النبي الله والاقتداء بهم (کراچی: میر محمد کتب خانہ، س ن)، ۲۳۶۔

''قیاس[26] کے صحابہ کرام کے اقوال وافعال سے معارضے کی صورت میں قیاس کو ترک کرنا ہوگا۔اس بارے میں حنفی فقہائے کرامؒ کی عبارات اور ان کی فقہی جزئیات کے ضمن میں مثالیں بہ کثرت موجود ہیں جیسا کہ امام سرخسیؒ نے امام ابو بکر رازی الجصاصؒ[27] کے حوالے سے ابوالحسن الکرخی کاامام ابویوسفؒ[28] کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ

"أرى أبايوسف يقول في بعض مسائله : القياس كذا إلا أني تركته للأثر وذلك الأثر قول واحد من الصحابة فهذه دلالة واضحة من مذهبه على تقديم قول الصحابي على القياس.[29]

(میں دیکھتا ہوں کہ امام ابویوسفؒ اپنے بعض مسائل میں اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ قیاس تواس طرح ہے مگر اس قیاس کو اثر کی وجہ سے چھوڑتا ہوں اور جس اثر کی وجہ سے وہ قیاس کو چھوڑ رہے ہوتے ہیں وہ اثر صرف ایک ہی صحابی سے منقول ہوتا ہے۔ لہذا یہ ابویوسف کے اس مسلک کی بالکل واضح دلیل ہے کہ وہ قول صحابی کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔)

---

[26]فقہاے احناف کے ہاں احکام شرعی کی معرفت میں قیاس کو بھی ظنی ماخذ کی حیثیت دی جاتی ہے۔ قیاس کا مفہوم یہ ہے کہ ''فرع کا اصل سے علت میں مشترک ہونے پر اصل کا حکم فرع میں جاری کردینا''۔(ملااحمد جیون،نورالأنوار مع شرح قمرالأقمار،باب القیاس)۲۸۔

[27]ابو بکراحمد بن علی الرازی الجصاص کا شمار حنفی ائمہ اصولیین سے ہوتا ہے۔ عراق کے شہر رئے میں ۳۰۵ھ کوپیدا ہوئے اور ۳۷۰ھ کو وفات پائی۔آپ نے ابوالحسن کرخی سے درس لیا۔آپ کی تصانیف میں سے احکام القرآن،الفصول في الأصول، شرح مختصر الطحاوي حنفی فکر کی بہترین ترجمان ہیں۔(ابوالفداء زین الدین قاسم بن قطلوبغا(م۸۷۹ھ)،تاج التراجم (بیروت: دارالقلم، ۱۹۹۲ء)، ۹۲؛ محمد عبدالحئ لکھنوی،الفوائدالبھیۃ في تراجم الحنفیۃ)۲۷۔

[28]آپ کا نام یعقوب، کنیت ابویوسف ہے۔ ۱۱۳ھ کو کوفہ کے شہر میں پیدا ہوئے۔(ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م۷۴۸ھ)، مناقب الإمام أبي حنیفۃ وصاحبیہ أبي یوسف و محمد بن الحسن، ترجمۃ ابي یوسف (کراچی: سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۱ھ)، ۳۵۔) آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ امام ابو حنیفہ کی اجتماعی مجلس علم میں محمد بن الحسن، زفر بن ہذیل، عبداللہ بن مبارک، حسن بن زیاد اور وکیع بن الجراح وغیر ھم کے ہم راہ شریک ہوتے رہے۔(ابن بزار الکردري، مناقب أبي حنیفۃ (بیروت: دار الکتاب العربي، ۱۹۸۱ء)، ۵۰۔) آپ کے اساتذہ وشیوخ میں ابن ابی لیلی، امام ابو حنیفہ، سلیمان الاعمش، مسعر بن کدام، سفیان بن عیینہ، شعبہ اور امام مالک بن انس وغیر ھم شامل ہیں۔ تاہم آپ کا فقہی رجحان امام ابو حنیفہ کی طرف تھا۔ آپ کی فقہی بصیرت کی بنیاد پر عباسی خلیفہ المہدی نے ۱۶۶ھ میں شہر بغداد کے مشرقی حصے پر قاضی مقرر کیا اور بعد ازاں ہارون الرشید کے زمانے میں ۱۷۱ھ کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز کیا گیا۔(ابن عبدالبر، الانتقاء في فضائل الثلاثۃ الأئمۃ الفقھاء، ۱۷۲) آپ کی تصانیف میں الرد علی سیر الأوزاعي، کتاب اختلاف أبي حنیفۃ وابن أبي لیلی کتاب الخراج اور کتاب الآثار معروف ہیں ۔ (مصطفی بن عبد اللہ الشہیر بحاجی خلیفۃ (م۱۰۶۷ھ)، کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون (بیروت: دار إحیاء التراث العربي، سن)،۱/۷۲۔)

[29]السرخي، أصول السرخسي، ۲/۱۰۶۔

مثلاً اگر قاضی یا حاکم وقت کسی کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتا یا شراب پیتا دیکھ لے تو کیا وہ اس پر حد نافذ کرنے کا مجاز ہے یا گواہوں کی موجودگی اور شہادت بھی ضروری ہے؟اس مسئلے کو امام ابو یوسفؒ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

" وإذا رأى الإمام أو حاكمه رجلًا قد سرق أو شرب خمرًا أو زنى؛ فلا ينبغي له أن يقيم عليه الحد برؤيته لذالك حتى تقوم به عنده بينة. وهذا استحسان لما بلغنا في ذلك من الأثر، فأما القياس فإنه يمضى ذلك عليه ولكن بلغنا نحو من ذلك عن أبي بكر وعمرها[30]

(جب امام یا حاکم وقت کسی شخص کو چوری کرتے یا شراب پیتے یا زنا کا مرتکب پالے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ محض اپنے مشاہدے کی وجہ سے اس پر حد جاری کردے یہاں تک کہ جرم کے ثبوت میں مزید گواہی نہ ہو۔استحسان کا تقاضا ہے جو ہمیں ایک اثر سے معلوم ہوا ہے۔تاہم قیاس و نظر کا تقاضا ہے کہ اس پر حد جاری کی جانی چاہیے لیکن اس بارے میں حضرت ابو بکر اور جناب عمرؓ سے ایک اثر روایت ہوا ہے۔(گویا اثر کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے۔)

اگر کوئی مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے۔اس حکم میں مردوں پر عورتوں کو قیاس کرتے ہوئے حکم ایک جیسا ہونا چاہیے تھا مگر شیخین (امام ابو حنیفہ وامام ابو یوسف) نے یہاں اثر صحابی کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

" فأما المرأة إذا ارتدت عن الإسلام فحالها مخالف لحال الرجل، نأخذ في المرتدة بقول عبد الله بن عباس رضي الله عنه فإن أباحنيفة حدثني عن عاصم بن أبي رزين عن ابن عباس قال: لايقتل النساءإذا هن ارتددن عن الإسلام ولكن يحبسن ويدعين إلى الإسلام ويجبرن عليه.[31]

(اگر عورت اسلام سے مرتد ہو جاتی ہے تو اس پر حکم مرد جیسا نہیں لگایا جائے گا۔یہاں ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ کے فرمان کے مطابق عمل پیرا ہوں گے۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عاصم کے واسطہ سے ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ عورتوں کو قتل نہیں کیا جائے گا جب وہ دین اسلام سے منحرف ہو جائیں اور البتہ انھیں قید میں رکھا جائے گا،انھیں اسلام کی طرف مائل کیا جائے گا اور انھیں اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔)

---

[30] ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری،الخراج،(بیروت:دارالمعرفۃ،۱۹۷۹ء)،۱۷۸۔

[31] ابو یوسف، نفس مصدر ۱۷۷۔

امام ابو حنیفہؒ ناک میں پانی ڈالے بغیر وضو کو مکمل سمجھتے ہیں لیکن غسل کو مکمل نہیں سمجھتے اور اس طرح ادھورے غسل کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کو واجب الاعادہ قرار دیتے ہیں۔ اس حوالے سے امام محمدؒ[32] نے امام ابو حنیفہ حمید اللہ کے ساتھ اپنا مکالمہ بیان کیا ہے کہ

" قال : أما ما كان في الوضوء فصلاته تامة، وأما ما كان في غسل الجنابة أو طهر حيض فإنه يتمضمض ويستنشق ويعيد الصلوة ، قلت : من أين اختلفا؟ قال: هما في القياس سواء، إلا أنا ندع القياس للأثر الذي جاء عن أبن عباس رضي الله عنهما .[33]

(امام ابو حنیفہ عملے نے کہا کہ اگر وضو میں ایسا کیا تو آدمی کی اس وضو سے پڑھے جانے والی نماز مکمل سمجھی جائے گی لیکن اگر جنابت کے غسل میں یا حیض کے بعد کیے جانے والے غسل میں (کلی کیے اور ناک میں پانی ڈالے بغیر نماز ادا کر لی تو) اسے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے بعد نماز دوبارہ ادا کرنی ہو گی۔ میں نے پوچھا کہ وضو اور غسل کے حکم میں اس قدر فرق کی کیا وجہ ہے؟ جواب دیا کہ قیاس کی رو سے تو ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے لیکن ہم نے اس اثر کی وجہ سے جو عبد اللہ بن عباسؓ سے منقول ہے قیاس کو ترک کر دیتے ہیں۔)

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے لیے آپس میں شراب اور خنزیر وغیرہ کی فروخت کے جواز کے حوالے سے امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ

---

(32) امام محمد بن الحسن الشیبانی عراق کے شہر واسط میں ۱۳۲ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۸۹ھ کو رحلت کر گئے۔ آپ امام ابو ضیفہ بھی ہے کے ان اولین تلامذہ میں سے ہیں جنھوں نے حنفی فکر کی بنیادوں کو مضبوط کیا اور اسے مدون کیا۔ (محمد بن سعد بن منیع، الطبقات الکبری (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۰ء، ۵/۳۲۳) آپ کے اساتذہ میں سے امام ابو حنیفہ، قاضی ابو یوسف اور امام مالک سر فہرست ہیں اور آپ کے اصحاب و تلامذہ میں امام شافعی، یحیی بن معین، ابو حفص الکبیر احمد، محمد بن سماعۃ، معلی بن منصور الرازی، اسد بن فرات اور عیسی بن ابان اور دیگر اصحاب علم شامل ہیں۔ (احمد بن محمد بن خلکان (م ۶۸۱ ھ) وفیات الأعیان (بیروت: دار احیاء التراث العربي، س(ن)، ۲/۳۲۱۔) آپ کی طرف بہت سی کتابیں منسوب ہیں۔ ان میں بعض کتابیں اہل علم کو میسر ہیں مثلاً الموطأ، کتاب الآثار، كتاب الحجة على أهل المدينة، المبسوط (الاصل)، الزیادات، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، کتاب السیر الصغیر، کتاب السیر الکبیر (المبسوط سے لے کر السیر الکبیر تک ان چھ کو ظاہر الروایۃ کتب کہا جاتا ہے) اور ان کے علاوہ النوادر، الرقیات، الجرجانیات، الھارونیات اور الاکتساب في الرزق المستطاب (ان کتب کو نادر الروایۃ کہا جاتا ہے) شامل ہیں۔ (ڈاکٹر محمد دسوقی، امام محمد بن حسن شیبانی اور ان کی فقہی خدمات ترجمہ، شبیر احمد جامعی، محمد یوسف فاروقی (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۵ء)، ۲۲۲۔)

(33) بو عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی (م (۱۸۹ھ)، کتاب الأصل، تحقیق، الدکتور محمد بوینوکالن، (مردان: مکتبۃ الاحرار، ۲۰۱۲ء)، ۱/۲۰۔

" فأما الخمر والخنزير فإني أجيز بيعهما بين أهل الذمة لأنها أموال أهل الذمة، استحسن ذلك و أدع القياس فيه من قبل الأثر الذي جاء في نحو من ذلک عن عمر.[34]

(جہاں تک شراب اور خنزیر کا تعلق ہے تو میں اہل ذمہ کے لیے آپس میں ان چیزوں کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیتا ہوں؛ کیوں کہ اہل ذمہ کے اموال ہیں۔ اس معاملے میں استحسان سے کام لیتا ہوں اور قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں؛ کیوں کہ اس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ سے ایک اثر مروی ہے۔)

روزہ دار کو روزے کی حالت میں کھانے اور پینے سے ممانعت ہے، لیکن اگر وہ روزے کی حالت میں دانستہ یا بھول کر کھا پی لے تو کیا حکم ہے ؟ فقہائے احناف کہتے ہیں کہ دانستہ کیا تو پھر قضا لازم ہو گی اور اگر بھول کر ایسا ہوا تو پھر قضا نہیں ہو گی۔ فقہاے اہل مدینہ کہتے ہیں کہ رمضان کے روزے میں دانستہ یا بھول کر کھا پی لیتا ہے تو دونوں صورتوں میں اس پر اس روزہ کی قضا واجب ہو گی۔ امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ حالاں کہ میں نے کسی سے نہیں سنا کہ وہ یہ سمجھے کہ بھول کر کھانے پینے سے اس پر قضا لازم ہو گی۔ کیوں کہ بہت سے آثار و روایات موجود ہیں۔ سب لوگ اس پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص بھول کر روزہ کی حالت میں کھا پی لیتا ہے تو اسے اللہ کی طرف سے کھانا پلانا ہوتا ہے۔ اہل مدینہ روایات و آثار کے بارے میں جانتے بھی ہیں کہ ان کو رد کرنا ممکن نہیں ہے۔ چناں چہ ایسا کہنا ان کے لیے مناسب نہیں۔

امام محمدؒ مذکورہ صورت کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ :

" لولا ماجاء في هذا من الآثار لأمرت بالقضاء .[35]

(اگر اس بارے میں آثار نقل نہ ہوتے تو میں بھی قضا کا حکم دیتا۔)

---

[34] الشیبانی، نفس مرجع، ۵/۲۰۷۔

[35] السرخسي، أصول السرخسي، ۲/۱۱۱۱۱۰۔

اسی طرح امام سرخسیؒ نے قیاس پر آثار صحابہ کو تقدیم ہونے کو مثالوں کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ بہت سے ایسے امور جن کا حکم قیاس واستنباط سے معلوم نہ ہو سکتا ہو اور ایسی صورت سے متعلق کسی صحابی کا اثر بیان ہوا ہو تو اسے مرفوع روایت کا درجہ دیا جائے گا اور اس کے مقابلے میں قیاس کو ترک کیا جائے۔امام سرخسیؒ کے مطابق اس نوعیت کے آثار سماع پر مبنی ہوں گے۔[36]

مرفوع روایت اور اثر صحابی

احکام شرعیہ کی معرفت کے بارے میں فقہائے احناف نے آثارِ صحابہ کو مستند ذریعہ ضرور قرار دیا ہے تاہم ان اہل علم نے اس اصول کی بھی وضاحت کی ہے کہ مرفوع روایت اور اثر صحابی کا معارضہ ہونے کی صورت میں مرفوع روایت ہی کو اثر صحابی پر برتری اور ترجیح حاصل ہو گی۔اس اصول کے اطلاق کی دو مثالیں فقہائے احنافت کی فقہی عبارات کے ضمن میں نقل کی جاتی ہیں مثلاً حضرت ابن عمرؓ اپنے والد گرامی حضرت عمر بن خطابؓ کا اثر نقل کرتے ہیں کہ

" من رمى الجمرة ثم حلق أو قصر ونحر هديا إن كان معه حل له ما حرم عليه في الحج إلا النساء والطيب حتى يطوف بالبيت .[37]

(جس شخص نے جمرہ عقبہ کی رمی کر لی پھر حلق یا قصر کر لیا اور ہدی پاس ہونے کی صورت میں نحر کر لیا تو اس کے لیے حج میں تمام ممنوعات جائز ہو گئیں سوائے عورت اور خوشبو کے، یہاں تک کہ وہ بیت اللہ کا طواف کر لے۔)

اور یہی نقطۂ نظر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہے جب کہ سیدہ عائشہؓ سے اس اثر عمرؓ سے خلاف روایت بیان ہوئی ہے کہ

" طيبت رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى هاتين بعد ما حلق قبل أن يزور بالبيت.[38]

(بیت اللہ کی زیارت سے پہلے حلق کرنے کے بعد، میں جناب نبی کریم ﷺ کو اپنے ان دونوں ہاتھوں سے خوشبو لگاتی تھیں۔)

---

(36)محمد بن الحسن الشیبانی، کتاب الحجۃ علی أھل المدینۃ، ت، مھدی حسن الکیلانی القادری، باب الرجل يأكل أو يشرب ناسياً (بیروت: عالم الکتب، ۱۴۰۳ھ)،۱/۳۹۲۔

(37)اعبدالحہ لکھنوی،الموطأ مع التعليق الممجد ما يحرم على الحاج بعد رمي جمرة العقبة يوم النحر ،(کراچی: نور محمد اصح المطابع، س ن)، ۱۱۹۔

(38)نفس مصدر۔

حدیث عائشہؓ کا حضرت عمر اور حضرت ابن عمرؓ کے آثار سے معارضہ پر امام محمد بن الحسنؒ فرماتے ہیں کہ

"وهذا قول له وابن عمر وقد روت عائشة خلاف ذلك فأخذنا بقولها ، نأخذ في الطيب قبل زيارة البيت وندع ما روى عمر وابن عمر وهو قول أبي حنيفة والعامة من فقهائنا [39]

(یہ حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ کا قول ہے اور اس قول کے خلاف سیدہ عائشہؓ نے روایت کیا ہے۔ پس ہم نے سیدہ عائشہؓ کے قول، یعنی بیت اللہ کے طواف سے قبل خوشبو لگانے کی اجازت، کو لیا ہے اور یہاں جو حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، ترک کرتے ہیں۔ یہی امام ابو حنیفہؒ اور ہمارے جمہور فقہا کی رائے ہے۔)

گھوڑوں کی زکوۃ ادا کی جانی چاہیے کہ نہیں۔ اس بارے میں بعض اہل علم حضرت علیؓ کے قول سے استدلال کرتے ہوئے دیگر حلال جانوروں کی طرح گھوڑوں پر بھی زکوۃ کو لازم قرار دیتے ہیں تاہم امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ روایات کی روشنی میں زکوۃ واجب نہیں ہونی چاہیے۔ جہاں تک سیدنا علیؓ کا قول سے وجوب زکوۃ کا استدلال کرنا ہے تو اس قول کے خلاف خود حضرت علیؓ سے جناب نبی کریم ﷺ کی مرفوع روایت نقل ہوئی ہے تو ایسی صورت میں یقیناً مرفوع روایت ہی زیادہ معتبر ہے چناں چہ آپ فرماتے ہیں کہ

"أما الخيل فإني أدركت من أدركت من مشيختنا يختلفون فيها، فقال أبو حنيفة في الخيل السائمة الصدقة ، دينار في كل فرس- لنا ذلك حماد عن عن إبراهيم، وقد بلغنا نحو ذلك عن علي رضي الله عنه، وقد بلغنا عن علي أيضًا في حديث آخر يخالف ما عنه أولا. روي يرفعه إلى رسول الله إنه قال : قد عفوت لأمتي عن الخيل والرقيق . [40]

(گھوڑوں پر زکوۃ سے متعلق میں نے اپنے مشایخ کو مختلف رجحان میں دیکھا۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنگل میں چرنے والے گھوڑوں پر زکوۃ ہے اور ہر گھوڑے پر ایک دینار ہے، اس سلسلے میں حماد کی بیان کردہ ابراہیم سے روایت کو پیش کرتے ہیں کہ انھیں حضرت علیؓ سے ایسے ہی منقول ہے؛ جب کہ ایک دوسری روایت جو پہلی روایت کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ سے مرفوع روایت منقول ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوۃ کو معاف کر دیا ہے۔)

---

[39] نفس مصدر، (اثر عمر کے مطابق طواف بیت اللہ سے قبل خوش بو لگانا درست نہیں ہے، جب کہ سیدہ عائشہؓ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ کا بیت اللہ کے طواف سے قبل خوش بو لگانا ثابت ہے۔ اثر صحابی اور روایت عائشہ میں تعارض ہونے پر روایتِ عائشہ پر عمل کرنا پسند کرتے ہیں۔ اس لیے کہ درایت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ کا یہ عمل حضرت عمر بن خطابؓ سے مخفی ہو گا کیوں کہ اس عمل کا ثبوت نجی زندگی سے ہے۔)

[40] ابو یوسف، الخراج، فصل في الصدقات، ۷۷۔

آثار صحابہؓ سے استشہاد کی نوعیت اور اصول واطلاق کی جزئیات

فقہائے احنافؒ نے شرعی احکام کی تفہیم و منشائے خداوندی تک رسائی کے لیے قرآن و سنت سے بلاواسطہ و بالواسطہ استفادے کی نوعیت موجود نہ ہونے کی صورت میں جناب اصحاب رسول ﷺ کے آثار سے استشہاد واستدل کیا ہے اور اس ضمن میں استفادے واستدلال کے بعض اصول وضوابط بھی طے کیے ہیں۔ ذیل میں حنفی فقہائے کرامؒ کے آثار صحابہؓ سے استدلالات کے اصول و نوعیت کی مثالوں سے تنقیح کی جاتی ہے۔

مقتدااور کبار صحابہؓ کااثر

(الف) کسی حکم شرعی کے بارے میں مقتدا اصحابہ کرامؓ، جیسے حضرات خلفاے راشدینؓ وغیرہ کااثر نقل ہوا ہو اور پھر اس کی تصویب میں صحابہ کرامؓ میں سے کسی کااثر موجود ہونے کی صورت میں فقہائے احنافؒ پیشوا صحابی کااثر معتبر تصور کرتے ہیں جیسا کہ یہ مسئلہ کہ سمندر سے حاصل ہونے والی اشیاسے کس قدر محاصل لیناچاہیے؟اس بارے میں امام ابویوسف رحمت اللہ خلیفہ وقت کو تحریر کرتے ہیں کہ

”وسألت يا أمير المؤمنين عما يخرج من البحر من حلية وعنبر ... وأما أنا فإني أرى في ذلك الخمس و أربعة أخماسه لمن أخرجه لأنا قد روينا فيه حديثا عن عمررضی الله عنه ووافقه عليه عبدالله بن عباس فاتبعنا الأثر ولم نر خلافه.“[41]

(امیر المومنین! آپ نے سمندر سے حاصل ہونے والے قیمتی زیورات اور عنبر سے متعلق سوال کیا ہے۔۔۔میری رائے میں اس پر پانچواں حصہ ہے اور جب کہ باقی چار حصے نکالنے والے کے لیے ہیں۔ ہماری اس رائے کی تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل ہوئی ہے اور عبد اللہ بن عباسؓ سے موافقت بھی حاصل ہے، لہذا ہم نے اثر کو اختیار کیا ہے اور اس کے خلاف مناسب خیال نہیں کرتے۔)

(ب) شریعت نے محرم کے لیے حالت احرام میں بعض پابندیاں لگائیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے اور اس بارے میں فقہائے کرامؒ کے ہاں یہ بحث موجود ہے کہ محرم اپنے اونٹ کی جوئیں نکال پھینک سکتا ہے کہ نہیں۔ فقہاے اہل مدینہ نے عمل اہل

---

[41] ابویوسف، مرجع سابق، ۷۰۔

مدینہ کو مد نظر رکھتے ہوئے مکروہ اور ناپسند خیال کیا ہے۔ چناں چہ امام مالکؒ نے اپنی موطا میں بھی" و أنا اكرهه" کہہ کر تصریح کر دی ہے۔[42]

جب کہ فقہائے احنافؒ ایسے عمل کی کراہت کے قائل نہیں ہیں اور اس بارے میں امام محمد حضرت عمرؓ کا معروف اثر نقل کرتے ہیں کہ

عن عمر رضي الله عنه أنه يقرد بعيره بالسقيا.[43]

(حضرت عمر رضی اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ اپنے اونٹ کی جوئیں نکال کر سقیا میں پھینکتے ہیں۔)

امام محمدؒ مختلف طرق سے اثر کو نقل کرنے کے بعد اس کے قبول کرنے کی وجہ ترجیح ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ

اخبرونا عنه هل جاء اختلاف للحديث فيه عن عمر؟ أم جاء الحديث عن غيره من هو أوثق واقضى منه؟ ماعندهم في ذلك حديث عمن هو أوثق من عمر رضي الله عنه وما يجحدون حديثه.[44]

(بتایئے ہمیں کہ کیا کوئی اختلاف حضرت عمر رضی اللہ سے مروی روایت کے بارے میں نقل ہوا ہے؟ یا اس حدیث کے خلاف کسی زیادہ ثقہ راوی سے کوئی دوسری روایت نقل ہوئی ہے؟ ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ کے مقابلے میں زیادہ ثقہ روایت نہیں ہے، پھر ان کی روایت سے استدلال کرنے میں کیوں انکار کرتے ہیں۔)

(ج) مسافر کو نماز قصر کی سہولت اور رخصت کب میسر ہے؟ حنفی فقہائے کرامؒ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ کے ارشادات گرامی میں تین دن اور تین رات سے کم مدت مسافت کو شرعی سفر میں شمار نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت بغیر

---

[42] ابوعبداللہ مالک بن انس(م ۱۷۹ھ)، الموطأ، كتاب الحج، باب مايجوز للمحرم أن يفعله (پشاور: المكتبة الحقانية، س ن)، رقم: ۷۸۹۔

[43] ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی (م ۱۸۹ھ)، كتاب الحجة على أهل المدينة، حاشيه، مفتی سید مهدی الحسن الکیلانی دیوبندی، باب ما يجوز للمحرم أن يفعله (حیدرآباد دکن: احیاء المعارف النعمانیہ، س ن)، ۲: ۲۶۱۔

[44] نفس مصدر۔

محرم کے سفر کر سکتی ہے۔[45] جب کہ فقہاے اہل مدینہ مشہور تابعی سعید بن مسیبؒ کی راے کا اعتبار کرتے ہوئے دن رات کو معتبر خیال کرتے ہیں۔اس پر امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" فقد خالفتم في ذلك علي بن أبي طالب وعبدالله بن عمر وسعيد بن جبير وغيرهم فقد جاء الثبت عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أنه كان لايرى التمام على من أجمع على أربع ولا خمس ولا أكثر ذلک حتى يتم العشر .[46]

(پس تم نے مذکورہ مسئلے میں علی بن ابی طالب عطااللہ، عبداللہ بن عمر علی اللہ سعید بن جبیرؒ و دیگر اہل علم کے خلاف راۓ قائم کی ہے۔بلاشبہ علی بن ابی طالبؓ سے پایۂ صحت سے اثر نقل ہوا ہے کہ آپ چار، پانچ اور اس سے زائد پر پوری نماز ادا کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ دس دن مکمل نہ ہو جائیں۔)مزید یہ کہ

" أنتم ونحن جميعا نروي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقام في حجه لصبح رابعة من ذی الحجة فلم يخرج إلى منى حتى كان الوقت الذي يصلي فيه الظهر بمنى يوم التروية فهذا أكثر من أربع، وقد علمنا جميعا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يرد بردًا، جاء من مكة وهو خارج إلى منى فقد أجمع على المقام بمكة إلى يوم التروية للرواح إلى منى فهذا أكثر من مقام أربع ليال، وقد صلى صلاة المسافر حتى رجع إلى المدينة.[47]

(ہم سب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے چار ذوالحجہ کی صبح اقامت اختیار کی پھر آپ ﷺ یوم الترویہ ظہر کے وقت منی پہنچے اور یہ چار ایام سے زائد ہیں۔یہ سب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے برید (مسافت) مراد نہیں لیے تھے۔آپ ﷺ مکہ سے آئے، منی سے باہر ٹھہرے اور یوم الترویہ تک منی جانے کے لیے مکہ کے جس مقام پر ٹھہرے تو یہ چار راتوں کے مقام سے زیادہ ہے۔یقیناآپ ﷺ نے مسافر کی نماز ادا کی یہاں تک کہ مدینہ لوٹ آئے۔)

کیاام الولد لونڈی کو فروخت کرنادرست ہے کہ نہیں؟فقہاۓ احنافؒ کے ہاں ام الولد کو فروخت کرنادرست نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو لونڈی اپنے آقا سے بچہ جنے تو مالک اس کو نہ فروخت کرے اور نہ ہبہ کرے اور نہ اسے

---

(45)نفس مصدر، باب صلاۃ المسافر،۱/۱۶۶۔

(46)نفس مصدر،۱/۱۶۹۔

(47)نفس مصدر،۱/۱۷۰۔

وارث بنائے اور وہ یہ حکم منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر اعلان فرمایا کرتے تھے کہ اس کو بیچنا حرام ہے؛ چناں چہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے حضرت عمر فاروقؓ کا اثر نقل کیا ہے کہ

"عن إبراهيم عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه كان ينادي على منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيع أمهات الأولاد أنه حرام إذا ولدت الأمة لسيدها عتقت وليس عليها بعد ذلك رق. قال محمد وبه نأخذ إلا أنه متعة له يطاها مادام حيا.[48]

(جناب ابراہیم عبید اللہ نے حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ آپ والی یہ منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر ام ولد کے بارے میں اعلان فرماتے تھے کہ ان کو بیچنا حرام ہے اور جب لونڈی کے ہاں اس کے آقا کا بچہ پیدا ہوا تو وہ آزاد ہو جاتی ہے (یعنی آقا کے فوت ہو جانے کے بعد) اب اس پر غلامی نہیں ہے۔ حضرت امام محمد علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں البتہ ام ولد اس آقا کے لیے قابل نفع ہے جب تک آقا زندہ ہے اس سے وطی کر سکتا ہے۔)

فقہائے احنافؒ کے ہاں اس اثر کے قابل اتباع ہونے میں حضرت عمر فاروقؓ کی ذات اور پھر منبر رسول ﷺ پر منادی کرنا اور اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کا اختلاف نہ کرنا نہایت اہم ہے۔

(ھ) غلام اور لونڈی سے بدکاری سرزد ہونے کی صورت میں ہر ایک پر پچاس کوڑے لگانے پر اتفاق ہے۔ اس لیے کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہی رائے منقول ہے۔ چناں چہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس دو لونڈیاں لائی گئیں جو بدکاری کی مرتکب ہو چکی تھیں تو آپ نے ان کو پچاس پچاس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ اسی طرح جناب معقلؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس لونڈی لے آئے کہ اس نے بدکاری کی ہے تو آپؓ نے فرمایا کہ پچاس کوڑے مارو۔ امام ابو یوسفؒ ان اقوال کو پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

وهذا أحسن ماسمعنا في ذلك [49]

(ہمارے سماع کے مطابق یہ رائے سب سے بہتر ہے۔)

[48] ابو عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی (م ۱۸۹ھ)، کتاب الآثار (ملتان: مطبوعہ دار الحدیث، س ن)، ۳۳۶۔

[49] ابو یوسف، الخراج، الحدود علی أهل الجنایات، ۱۶۷۔

مذکورہ مثالوں کی روشنی میں فقہائے احناف کا آثار صحابہؓ سے متعلق یہ اصول متعین ہوتا ہے کہ شرعی احکام کی وضاحت میں مقتدا اور کبار صحابہؓ کا اثر دیگر صحابہ کرامؓ کے مقابلے میں معمول بہ تصور کیا جائے گا۔

فقہائے احناف کے ہاں اثر صحابی اور خبر واحد میں ترجیح کی نوعیت اور اصول

فقہائے احناف کے ہاں اثر صحابیؓ سے استفادے کی نوعیت اور اصولوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ احکام میں فقہائے احناف اثر صحابی سے استفادہ کرتے ہیں اور اثر صحابی کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض امور میں خبر واحد پر اثر صحابی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ احنافؒ خبر واحد پر اثر صحابی کو کن صورتوں میں ترجیح دیتے ہیں اور ترجیح کے اصول کیا ہیں؟ احناف کے اصول درج ذیل ہیں۔

راوی کا عمل یا فتوی خبر واحد کے خلاف نہ ہو

قبولیت خبر واحد کی ایک شرط یہ ہے کہ راوی کا اپنا عمل اس کی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہو لہٰذا راوی کا عمل یا فتوی اس کی حدیث کے خلاف ہو اور یہ عمل یا فتویٰ حدیث کی روایت کے بعد ظاہر ہوا ہو اور وہ حدیث خبر واحد ہو تو اس صورت میں اس حدیث کو ترک کر دیا جائے گا کیونکہ راوی اگر اپنی حدیث کے خلاف عمل کر رہا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہے یا صحیح نہیں ہے یا اس حدیث کا مطلب کچھ اور ہے جو ظاہر کے خلاف ہے۔ ورنہ راوی کا قصداً بلا دلیل حدیث کے خلاف عمل کرنا اس کی عدالت میں قادح ہو گا۔(50)

اسکی مثال ذکر کی جاتی ہے:

عن أبي هريرة . قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " إذا ولغ الكلب في إناء أحدكم فليرقه ثم ليغسله سبع مرار "(51)

(حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ پانی گرا دے پھر اس کو سات مرتبہ دھوئے۔)

حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا فتوی اس حدیث کے خلاف تھا۔ فرماتے تھے کہ کتے کے منہ ڈالنے کی وجہ سے برتن کو تین مرتبہ دھویا جائے گا۔(52)

---

(50) السرخسی، اصول السرخسی، ۳۵۰/۱۔

(51) محمد بن سلیم الشیری، الجامع الصحیح، (ریاض: بیت الافکار الدولیہ، ۱۴۱۹ھ)، رقم الحدیث: ۲۸۹۔

(52) ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی، شرح معانی الآثار، (بیروت: عالم الکتب، ۱۴۱۴ھ)، ۲۳/۱۔

اس لیے احناف حضرت ابوہریرہ کی روایت کو قبول نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کے اپنے فتویٰ کے خلاف ہے۔احناف کی اس شرط کی اصل بنیاد یہ ہے کہ راوی خصوصاً جب وہ صحابی ہو دوسروں کی نسبت حدیث کے مقتضی اور مفہوم کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ لہذا حدیث کی تشریح یا وضاحت کے سلسلہ میں اس کا قول دوسروں کے اقوال وآراء پر مقدم ہو گا۔

غیر فقیہ راوی کی روایت قیاس اور قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہونے کی بحث

اگر راوی غیر فقیہ ہو اور اس کی روایت کردہ حدیث قیاس اور قواعد شرعیہ کے خلاف ہو تو اس صورت میں ضرورت کی وجہ سے حدیث کو ترک کر دیا جائے گا۔[53]

ملاجیون نور الانوار میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

"اگر راوی فقہ واجتہاد میں معروف ہو جیسا کہ خلفاء راشدین اور عبادلہ اربعہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اور اس کی حدیث قیاس کے خلاف ہو تو اس صورت میں حدیث کو لیا جائے گا اور قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور اگر راوی عدالت اور ضبط میں تو مشہور ہو مگر فقہ واجتہاد میں معروف نہ ہو اور اس کی حدیث قیاس کے موافق ہو تو حدیث مقبول ہو گی اور اگر حدیث قیاس کے مخالف ہو تو ضرورت کی وجہ سے حدیث کو ترک کیا جائے گا اور ضرورت یہ ہے کہ اگر حدیث پر عمل کیا جائے تو رائے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔اور یہ "فاعتبروا یا أولي الأبصار" کے مخالف ہے۔ راوی غیر فقیہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں روایت بالمعنی عام تھی۔ لہذا عین امکان ہے کہ صحابی نے وہ روایت اپنی فہم کے مطابق بیان کی ہو اور اس سے چوک ہو گئی ہو۔اسی لیے روایت کو ترک کر کے قیاس پر عمل کیا جائے گا جیسا کہ حدیث مصراۃ۔[54]

لیکن اس کے مقابل حضرت ابوزھرہ حنفی اصول فقہ کی کتاب "التقریر والتحبیر علی التحریر" کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

ان مذهب أبي حنيفة رحمة الله عليه كما ذهب الشافعي رحمة الله عليه وفقهاء الاثران خبر الاحاد يقدم على القياس مطلقاً سواء اكان الراوى فقيها ام كان غير فقيه، سواء انسد باب الرأى ام لم ينسد باب الرأى. وهذا نص ما جاء فيه وفى التحرير اذا تعارض خبر الواحد والقياس بحيث لا جمع بين هما ممكن قدم الخبر مطلقاً عند الاكثرين منهم ابو حنيفة والشافعي واحمد رحمة الله عليهم [55]

(بیشک امام ابو حنیفہ کا مذہب اس جیسا ہے جو امام شافعی اور فقہائے محدثین کا تھا کہ اخبار احاد مطلقاً قیاس پر مقدم ہو نگی چاہے راوی فقیہ یا غیر فقیہ ہو چاہے اس کے ذریعہ رائے کا دروازہ بند ہو یا نہیں اور اس بارے میں یہ نص ہے اور تحریر" میں ہے کہ جب خبر واحد

---

[53] السرخسی، اصول السرخسی، ۱/۳۵۰۔

[54] ملاجیون، نور الانوار، ۱۸۳۔

[55] ابوزہرہ، حیاتہ وعصرہ، ص ۲۳۲۔

اور قیاس کاایسا تعارض ہو کہ ان کے درمیان تطبیق ممکن نہ ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک خبر واحد کو مقدم کیا جائے گا جن میں امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ شامل ہیں۔)

اس عبارت کے مطابق امام ابو حنیفہ بھی بقیہ فقہاء کی طرح خبر واحد کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں خواہ راوی فقیہ ہو یا غیر فقیہ ہو۔ اس کے بعد ابوزھرہ نے ایسی بہت سی مثالیں دی ہیں جن میں امام ابو حنیفہ نے راوی کے غیر فقیہ ہونے کے باوجود خبر واحد کو قیاس پر مقدم کیا ہے۔ مزید دلائل ذکر کر کے آخر میں یہ فیصلہ دیا ہے اس قول کی نسبت امام ابو حنیفہ کی طرف درست نہیں ہے۔

" انتهينا من ذلك التحليل إلى أن أبا حنيفة ما كان يقدم القياس المستنبط عند تعارض الاوصاف و تصادم الامارات على الحديث وان ما قاله المخرجون في مذهبه من بعده، أو على التحقيق بعض هم أن انه يقدم القياس على خبر الاحاد اذا لم يكن راويه من الصحابة فقيها لا تصح نسبته اليه لعدم استقامة المقدمات التي تؤدى اليه ومخالفتها للماثور من اقواله.ولتضاربها مع الفروع الماثورة عنه [56]

(اس تجزیہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ابو حنیفہ قیاس مستنبط کو حدیث کے اوصاف وعلامات کے تعارض وقت مقدم نہیں کرتے تھے اور ان کے بعد ان کے مذہب کے اصحاب تخریج نے یا بعضوں نے جو اپنی تحقیق سے یہ کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ قیاس کو خبر واحد پر اس وقت مقدم کرتے ہیں جب اس کا راوی کوئی فقیہ صحابی نہ ہو اس کی نسبت امام ابو حنیفہ کی طرف صحیح نہیں کیونکہ اس نسبت تک پہنچنے والے مقدمات درست نہیں اور وہ امام ابو حنیفہ سے منقول ان کے اقوال اور ان سے مروی جزئیات کے مخالف اور متصادم ہے۔)

دور صحابہؓ میں متروک الاستدلال نہ ہو

صحابہ کرام نے کسی درپیش مسئلہ میں اس حدیث سے اعراض نہ کیا ہو۔ چنانچہ اگر صحابہ کو کوئی مسئلہ پیش آیا اور انھوں نے اس مسئلہ میں اس حدیث کو چھوڑ کر رائے کی بنیاد پر اختلاف کیا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں یا اس حدیث کا درپیش مسئلہ سے تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق کسی اور مسئلہ سے ہے۔ مثلاً بچہ پر زکوۃ کے وجوب میں صحابہ نے رائے کی بنیاد پر اختلاف کیا ہے۔ مگر اس حدیث کی طرف التفاف نہیں کیا۔

الا من ولي يَتِيمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرُ فِيهِ، وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ [57]

(خبر دار جو شخص ایسے یتیم کا ولی ہو کہ جس کے پاس مال ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس میں تجارت کرے اور اسے یونہی نہ چھوڑے کہ صدقہ (زکوۃ) اس کو ختم کردے۔)

[56] حوالہ سابق، ۳۲۷۔

[57] الترمذی، الجامع الترمذی، رقم الحدیث: ٦٤١۔

تو پتہ چلا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے یا اس حدیث میں صدقہ سے مراد نفقہ ہے۔[58]

دور صحابہ میں متروک العمل نہ ہو

اگر خبر واحد اس نوعیت کی ہو کہ وہ صحابہ کرام پر مخفی نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس کے باوجود فقہاء صحابہ کرام نے اس روایت کے بر خلاف عمل کیا تو یہ بات دلالت کرتی ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہے یا وہ کسی اور معنی پر محمول ہے کیونکہ صحابہ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حدیث صحیح کی مخالفت کریں۔[59]

مثلاً یہ حدیث ہے کہ کنوارہ مرد کنواری عورت سے زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور رجم ہے۔[60]

اب اس حدیث کی نوعیت ایسی ہے کہ یہ صحابہ کرام پر مخفی نہیں ہونی چاہیے تھی خصوصاً خلفاء راشدین پر کیونکہ اس کا تعلق حدود سے ہے اور حدود قائم کرنا خلفاء کی ذمہ داری ہے لیکن اگر خلفاء راشدین کا عمل دیکھا جائے تو انھوں نے ان دونوں سزاؤں کو اکٹھا نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث یا تو منسوخ ہے یا پھر وجوب پر محمول نہیں ہے۔[61]

نتائج وسفارشات

خبر واحد سے استدلال کرنے میں امام ابو حنیفہ کا منہج واسلوب دوسرے فقہاء کے مناہج واسالیب سے مختلف ہے یہاں تک اسے جمہور کے منہج کے مد مقابل کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے آپ کو اصحاب الرائے میں شمار کیا جاتا ہے اور آپ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ رائے کے مقابلے میں نصوص کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے جہاں خبر واحد کو چھوڑا ہے تو ان شرائط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہے جو آپ نے خبر واحد کے اخذ و قبول میں عائد کی ہیں۔ ان شرائط پر سرسری غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو حدیث میں غیر معمولی درک حاصل تھا اور امام ابو حنیفہ نے حدیث سے شدت عنایت اور احتیاط کی وجہ سے اتنی کڑی شرائط عائد کی ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے اپنے زمانہ کے معروضی حالات کے پیش نظر حدیث کے اخذ و قبول میں اتنا سخت معیار مقرر کیا تا کہ حدیث کو وضامین کے فتنہ سے محفوظ رکھا جا سکے۔ محققین حضرات امام ابو حنیفہ سے ان شرائط میں اختلاف کر سکتے ہیں اور دلائل کے ذریعے ان کو رد کیا جا سکتا ہے مگر ان کی بنیاد پر انکو مخالف حدیث یا تارک حدیث ہر گز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

---

[58] ملا جیون، نور الانوار، ۱۹۰۔

[59] الخبازی، المغنی فی اصول الفقہ، ۲۱۷۔

[60] القشیری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث، ۱۶۹۰۔

[61] الخبازی، المغنی فی اصول الفقہ، ۲۱۷۔

فقہائے احنافؒ اسلامی شریعت کے فہم میں رسول ﷺ کے اصحاب کے آثار کو قرآن وسنت کے بعد ماخذ اور ترجیحی بنیادوں پر تسلیم کرتے ہیں۔البتہ فقہائے احناف کی فقہی تعبیرات میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ منصوص احکام کے علاوہ صرف غیر منصوص احکام میں ان کی رہ نمائی قبول کرتے ہیں۔

اصحاب رسول ﷺ کے آثار سے استفادے واستشہاد میں بعض خارجی قرائن کا اعتبار کرتے ہیں مثلاً کبار و مقتد اصحابہ کرامؓ کی تقدیم، جمہور صحابہ کرامؓ کے نقطہ نظر کا اعتبار، اہل عراق اور اہل حجاز کے اجتماعی واتفاقی فکر پر محیط آثار وغیرہ تاکہ منشائے شریعت تک درست اور صحیح رسائی ممکن ہو سکے۔